مولانا مفتی محمد تقی عثمانی*

مسلک علماء دیوبند کے نادان ترجمان

دارالعلوم دیوبند.....ایک ایسی درس گاہ ہے جو ایک صدی سے زیادہ مدت سے اسلامی علوم کی تعلیم کی خدمت انجام دے رہی ہے۔ اس دوران اس سے فارغ التحصیل ہونے والوں کی تعداد عجب نہیں کہ لاکھوں میں ہو۔ اس کے علاوہ بعد میں برصغیر کے اندر ہزار ہا ایسے دینی مدارس قائم ہوئے جو سب اپنا سرچشمہ فیض دارالعلوم دیوبند کو قرار دے کر اس سے اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں اور ان کے فضلاء کو بھی عرف عام میں ''علمائے دیوبند'' ہی کہا جاتا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ ان درس گاہوں سے لاکھوں کی تعداد میں فارغ التحصیل ہونے والوں میں سے ہر فرد کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ''مسلک علماء دیوبند'' کا صحیح ترجمان ہے۔ کوئی بھی باقاعدہ درس گاہ جو کسی خاص نصاب ونظام یا نظم وضبط کی پابند ہو، وہ اپنے زیر تعلیم افراد کی خدمت اسی حد تک انجام دے سکتی ہے اور ان کی نگرانی اسی حد تک کر سکتی ہے جس حد تک اس کے لگے بندھے قواعد وضوابط اجازت دیں، لیکن وہ ایک ایک طالب علم کے بارے میں اس بات کی مکمل نگرانی نہیں کر سکتی کہ تنہائی میں اس کے دل ودماغ میں کیا خیالات پرورش پا رہے ہیں اور وہ کن خطوط پر آگے بڑھنے کو سوچ رہا ہے۔ بالخصوص درس گاہ سے ضابطے کا تعلق ختم ہونے کے بعد تو اس قسم کی نگرانی کا کوئی امکان ہی نہیں رہتا۔

چنانچہ ان درس گاہوں سے کچھ ایسے حضرات بھی نکل کر میدان عمل میں آئے ہیں جو تعلیمی حیثیت سے بلاشبہ دارالعلوم دیوبند کی طرف منسوب ہیں، لیکن انھیں اکابر علمائے دیوبند کا مسلک ومشرب یا ان کا وہ متوارث مزاج ومذاق جو صرف کتابوں سے حاصل نہیں ہوتا، ٹھیک ٹھیک حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اس لحاظ سے وہ مسلک علمائے دیوبند کے ترجمان نہیں تھے، لیکن تعلیمی طور پر دارالعلوم دیوبند یا اس کی فیض یافتہ کسی اور درس گاہ سے منسوب ہونے کی بنا پر بعض لوگوں نے انھیں مسلک علماء دیوبند کا ترجمان سمجھ لیا اور ان کی ہر بات کو بھی علمائے دیوبند کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیا۔

ان میں سے بعض حضرات ایسے بھی تھے جو علمائے دیوبند کے بعض عقائد وافکار کی نہ صرف تردید ومخالفت کرتے رہے، بلکہ ان کو گمراہی تک قرار دیا اور اس کے باوجود اپنے آپ کو مسلک علماء دیوبند کا ترجمان بھی کہتے رہے۔ بعض حضرات نے اپنے ذاتی افکار کو علمائے دیوبند کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیا۔ بعض نے مسلک علماء دیوبند کے جامع

* نائب صدر دارالعلوم کراچی۔

اور معتدل ڈھانچے سے صرف کسی ایک جزو کو لے کر بس اسی جزو کو ''دیوبندیت'' کے نام سے متعارف کرایا اور اس کے دوسرے پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا۔

مثلاً بعض حضرات نے یہ دیکھ کر کہ حضرات اکابر علمائے دیوبند نے ضرورت کے وقت ہر باطل نظریے کی مدلل تردید کر کے اپنا فریضہ ادا فرمایا ہے، بس اسی تردید کو علمائے دیوبند کا مسلک قرار دے لیا اور اپنے عمل سے تاثر یہ دیا کہ مسلک علمائے دیوبند صرف ایک منفی تحریک کا نام ہے جس کے نصب العین میں دین کے مثبت پہلو کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے۔ پھر باطل نظریات کی تردید میں بھی مختلف نظریات نے مختلف میدان عمل طے کر لیے جو تقسیم کار کی حد تک تو درست ہو سکتے تھے، لیکن بعض حضرات نے ان میں مبالغہ کر کے مسلک علمائے دیوبند کے صرف اپنے میدان عمل کی حد تک محدود ہونے کا تاثر دیا۔ بعض حضرات نے باطل کی تردید کے اصول کو تو اختیار کر لیا، لیکن تردید کے طریقے میں اکابر علماء دیوبند نے جن اصولوں کی پیروی فرمائی تھی، ان کی طرف کما حقہ التفات نہیں کیا اور بعض حضرات کے طرز عمل سے کچھ ایسا تاثر قائم ہوا کہ مسلک علمائے دیوبند بھی (خدانخواستہ) ان ہی دھڑے بندیوں کا ایک حصہ ہے جو دنیا میں پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں اور جن کا مسلک یہ ہے کہ اپنے دھڑے کے ہر آدمی کی ہر خطا بھی معاف اور قابل دفاع ہے اور باہر کے آدمی کی ہر نیکی بھی دریا برد کرنے کے لائق ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ''مسلک علمائے دیوبند'' ان تمام بے اعتدالیوں سے بری ہے اور یہ ایسے حضرات کی طرف سے منظر عام پر آئی ہیں جو ضابطے کی تعلیم کے لحاظ سے خواہ دار العلوم دیوبند یا اس کے منتسب اداروں میں سے کسی ادارے سے وابستہ رہے ہوں، لیکن مسلک و مشرب اور مزاج و مذاق میں اکابر علمائے دیوبند کے ترجمان نہیں تھے اور نہ انھوں نے یہ مزاج و مذاق اس متوارث طریقے پر حاصل کیا تھا جو اس کے حصول کا صحیح طریقہ ہے۔

(ماخوذ از پیش لفظ ''علماء دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج'' از مولانا قاری محمد طیبؒ)

''دار العلوم کا مزاج ابتدا ہی سے بین الاقوامی ہے۔ اس نے قومی اور بین الاقوامی اسلامی تحریکات واجتماعات میں بھی شرکت سے کبھی گریز نہیں کیا۔..... آج دار العلوم کا یہی جذبہ ہے کہ اس کے ان علمی اور ثقافتی مقاصد کو اجتماعی رنگ سے عالمگیر بنایا جائے اور اسلامی تعلیمات کو اجتماعی قوت سے عالم کو آشکارا کیا جائے۔ نیز اسلام پر وارد کیے جانے والے شکوک وشبہات کا پردہ اجتماعی رنگ سے چاک کیا جائے۔..... ماضی کا جائزہ لے کر مستقبل کے لیے آپ حضرات کے مشورہ وتعاون سے ان تبلیغی، تعلیمی، تہذیبی اور ثقافتی مقاصد کی تعلیم کا کوئی ایسا لائحہ عمل تیار کیا جائے جس کی پشت پر سارے اسلامی منطقوں کی اجتماعی قوت کارفرما ہو جس سے یہ دینی مقاصد اجتماعی انداز سے دنیا کے سامنے آسکیں اور عام مسلمانوں کی زندگیوں پر کوئی عملی اثر ڈال سکیں اور وہ ایمانی اخوت، باہمی تعاون، علمی اشتراک اور فکری یکسانی ہمت کے ساتھ اجتماعی عزائم وخدمات کو بروئے کار لا سکیں۔..... حالات وقت کے پیش نظر جامعہ دار العلوم کی یہ خواہش بجا اور برمحل ہے کہ اس نئی صدی میں امت مسلمہ، اسلام کے علمی مقاصد کو باہمی تعاون سے آگے بڑھائے اور جو کام اب تک شخصی یا انفرادی یا تن تنہا اداری قوتوں سے ہوا ہے، اسے اجتماعی بنائیں تاکہ پوری دنیا اسلام کے صحیح خدوخال سے واقف ہو۔''

(دار العلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس (فروری ۱۹۸۰ء) میں مولانا قاری محمد طیبؒ کا خطبہ استقبالیہ)

'الشریعہ' کی پالیسی اور
مولانا زاہد الراشدی کا طرز فکر

مولانا مفتی محمد زاہد*

صدرِ اول میں فقہ اسلامی کا ارتقا

باہمی استفادہ اور مباحثہ ومکالمہ کا کردار

دوسری صدی ہجری میں فقہ اسلامی کے ارتقا میں ایک چیز جس نے بڑا اہم کردار ادا کیا، وہ اس دور کے مختلف فقہی مکاتب فکر بالخصوص حجازی مکتب فکر اور عراقی مکتب فکر کا باہمی ملاپ، ربط اور ایک دوسرے سے استفادے کا سلسلہ تھا۔ امام ابوحنیفہ کو ابن مسعود کے مکتب فکر کی اہم شخصیات سے استفادہ کرنے کے بعد بعض سیاسی حالات کے تحت تقریباً چھ سال کا عرصہ مکے میں گزارنا پڑا۔ اس دوران میں آپ کو حجاز کی نمایاں شخصیات سے بھی استفادے کا موقع ملا اور حرمین شریفین کی وجہ سے عالم اسلام کے دوسرے حصوں سے وہاں آنے والے علماء سے بھی۔ خود امام صاحب سے مختلف خطوں کے کئی لوگوں نے باقاعدہ تلمذ یا علمی مذاکرے کی صورت میں استفادہ کیا۔ مثال کے طور پر حجاز کی ایک اہم علمی شخصیت اور معروف تابعی عطاء بن ابی رباح سے استفادہ اور عطاء کا آپ کو خاص اہمیت دینا تو معروف ومشہور ہے۔ (موفق بن احمد مکی، **مناقب الامام الاعظم ابی حنیفة**، ج ۱، ص ۸۸) حجاز ہی کی ایک اور معروف شخصیت ابن جریج کے ساتھ بھی آپ کے علمی مذاکرے ہوئے۔ (ایضاً، ج ۱، ص ۸۷) امام مالک سے آپ کی ملاقاتیں اور علمی مذاکرے بھی کسی ثبوت اور تعارف کے محتاج نہیں۔ بعض اوقات دونوں حضرات کی باہمی علمی گفتگو عشاء کے بعد شروع ہوتی اور فجر تک جاری رہتی۔ (ایضا، ج ۲، ص ۱۶۴) امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے اس باہمی ربط اور استفادے کی بنیاد پر ہی بعض متاخرین نے دونوں کو ایک دوسرے کے مشائخ یا تلامذہ میں بھی شمار کیا ہے۔ (الخیرات الحسان، ص ۲۳) یہ درحقیقت ایک دوسرے سے باقاعدہ تلمذ نہیں تھا، بلکہ علمی مذاکروں کے دوران کیا گیا باہمی استفادہ تھا۔ حجاز ہی کی ایک اور معروف علمی شخصیت ربیعۃ الرای جب کوفہ آئی تو انھوں نے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے ساتھ بعض مسائل پر

---

* شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد۔